غالب کا فارسی کلام

(ایک عمومی تبصرہ)

جناب عبد القدوس صاحب نقوی

غالب کو چند در چند لحاظ سے ادب میں منفرد مقام حاصل ہے۔ ان کی شاعری سے جہاں اردو میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے وہاں اُن پر ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ ہندوستان میں عرفی، نظیری، ظہوری اور بیدل کا دور بھی ختم ہو گیا۔

غالب نے اس وقت ہندوستان میں اپنی فارسی شاعری کا علم بلند کیا جبکہ یہاں یہ میدان بالکل خالی تھا۔ اس ملک میں کلاسیکی طرز کا آخری عظیم شاعر مرزا حبیب قاآنی، انوری اور خاقانی کے رنگ کی یاد تازہ کر رہا تھا لیکن غالب کا مرتبہ قاآنی کے مقابلہ میں بھی بلند ہے۔ قاآنی کا سارا سرمایۂ افتخار اس کے قصائد ہیں۔ غزلیات کے میدان میں وہ قطعی تہی دست نظر آتا ہے اور قصائد میں بھی اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک مترنم بے معنی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ قصائد میں بھی اگر غالب اور قاآنی کا موازنہ کیا جائے تو بھی غالب کا مرتبہ بلند نظر آئے گا۔ قاآنی کے یہاں حسنِ الفاظ [illegible] کے ساتھ فحش و ابتذال بھی موجود ہے جبکہ غالب کے قصائد شوکتِ الفاظ، حسنِ بیان، ندرتِ فکر [illegible] کا بہترین نمونہ ہیں اور فحش و ابتذال سے پاک ہیں۔

غالب بنیادی طور پر فارسی شاعر تھے۔ اگرچہ ان کی شاعری کی ابتدا اردو سے ہوئی اور [illegible] ان کا سرمایۂ افتخار بھی ان کا اردو کلام ہی ہے لیکن خود غالب کا جھکاؤ اردو کلام پر [illegible] فارسی کلام پر تھا۔ فارسی کے مقابلہ میں وہ اپنے اردو کلام کو بے رنگ سمجھتے ہیں۔

اپنے ایک فارسی قطعہ میں جو ایک شاعر کی تنقید کے جواب میں لکھا گیا [illegible]

[illegible]

فخریہ کہتے ہیں ۔

فارسی بین تا ببینی نقش ہای رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اردو کہ بی رنگ من است

فارسی بین تا ببینی کاندر اقلیم خیال — مانی و ارژنگم و آن نسخہ ارژنگ من است ١

پھر اپنے اردو کلام کے بارے میں کہتے ہیں :

نیست نقصان یک دو جزو است از سواد ریختہ — کان دو ام برگی ز گلستان فرہنگ من است

پھر اپنے مخاطب شاعر سے کہتے ہیں کہ آپ میرے ہمزبان اور ہمنوا نہیں ہیں

مشفقا معنی شعر است و آن دانی کہ نیست — از تو بنو نغمہ و سازی کہ در چنگ من است

در سخن چون ہم زبان و ہمنوای من شدہ — چون دلت را پیچ و تاب از [illegible] آہنگ من است

اپنے بارے میں کہتے ہیں :

انوری و عرفی و خاقانی سلطان منم — پادشہ طہمورث و جمشید و ہوشنگ من است

اس قطعہ کے علاوہ بھی وہ اپنے فارسی کلام میں اپنے آپ کو عرفی، نظیری، خاقانی وغیرہ کا ہمسر قرار دیتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

مسنج شوکت عرفی کہ بود شیرازی — مشو اسیر زلالی کہ بود خوانساری

بسومنات خیالم در آی تا بینی — رواں فروز بدوشہای زناری

چہ لذت است سخن از سر حسد بر خویش — کہ بر عرفی و غالب بعوض یاد دہد

امروز منم نظامی و خاقانیم بدہر — دہلی ز من بہ گنجہ و شروان برابر است

ایک قصیدہ میں جو بہادر شاہ ظفر کی مدح میں ہے خسرو اور سعدی پر اپنا تفوق ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں

[illegible] از اسلاف — کہ بودہ ام [illegible] دلش نگاہ

[illegible] — ظہور سعدی و خسرو [illegible]

یعنی قصیدہ اور دستنبو سے [illegible] تحریر ہوتے ہیں [illegible] کی دلیل ہے کہ [illegible]
ہے جو ایک کسب فیض کیا ہے۔

غرض غالب کی تصانیف میں [illegible] فارسی کلام ہر جگہ موجود ہیں لیکن تمام فارسی کلام کا [illegible] اور اردو کلام میں [illegible]
غالب کی فارسی کلیات (مطبوعہ نولکشور ۱۸۶۳ء) میں ۲۲ قصائد اور [illegible] مثنویاں [illegible]
ترجیع بند، ترکیب بند، [illegible] قطعات، رباعیاں اور غزلیات ردیف الف تا ی پر مشتمل ہے۔

قطعات مختلف موضوعات پر ہیں مثلاً تہنیت شادی نواب یوسف علی خاں والی رامپور [illegible]
ہندوستان کے انگریزی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے، فتح پنجاب، تہنیت [illegible]
بحضرت نواب یوسف علی خاں، تاریخ [illegible]، تاریخ وفات [illegible] وغیرہ وغیرہ۔

ایک قطعہ میں زین العابدین عارف سے خطاب کر کے کہتے ہیں

جان غالب باش ای کہ در گیتی — سخت [illegible] جان من است
ای کہ میراث خوار من باشی — [illegible] زبان من است
از معانی ز [illegible] — [illegible] آن من است

مثنویاں:-

غالب کی پہلی مثنوی سرمۂ بینش ہے یہ مختصر سی مثنوی بہادر شاہ ظفر کی مدح میں ہے اور نصیحت کے رنگ میں
ہے بادشاہ کو [illegible] اس شعر پر مثنوی ختم
ہوتی ہے ؎

[illegible] کوتاہ باد — تا خدا باشد بہادر شاہ باد

۲- دوسری مثنوی [illegible] ہے۔ اس میں غالب نے ایک حکایت بیان کی ہے [illegible]
[illegible] ہوتا ہے۔

حکایت یوں ہے کہ ایک [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تینوں ... دعائیں مانگ کر بھی ... کے چکر سے نہ نکل سکے

غالب اسے تقدیر بیان کرتے ہیں ؎

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تعالی الله بنارس چشم بد دور   بهشت خرم و فردوس معمور

بجوش گل بهاری در زده جوش   ندیدا بر سر سر دم در ره دوش

تناسخ مشربان چون لب گشایند   به کیش خویش کاشی را ستایند

عبادت خانهٔ ناقوسیان است   همانا کعبهٔ هندوستان است

بتانِ کاشی:-

بتانش را هیولا شعلهٔ طور   سراپا نور ایزد چشم بد دور

ز رنگین جلوه ها غارتگر هوش   بهار بستر و نوروز آغوش

قیامت قامتان مژگان درازان   ز مژگان بر صف دل نیزه بازان

پھر کہتے ہیں کہ میں نے ایک عالم سے پوچھا کہ دنیا میں ان تمام برائیوں کے باوجود قیامت کیوں نہیں آتی تو اس نے مسکرا کر بنارس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خدا نہیں چاہتا کہ قیامت آ کر یہ حسین شہر برباد ہو جائے

سوی کاشی به انداز اشارت   تبسم کرد و گفتا این عمارت

که حقا نیست صانع را گوارا   که از هم ریزد این رنگین بنا را

چراغ دیر غالب کی قادرالکلامی اور رنگینیٔ بیان و تخیل کا بہترین نمونہ ہے۔

پانچویں مثنوی "باد مخالف" ہے۔ یہ مثنوی اس ہنگامے کی یادگار ہے جو غالب کو اپنے قیام کلکتہ کے دوران پیش آیا۔ اس مثنوی میں غالب کا انداز طنز اور تلخی لیے ہوئے ہے اور جہاں جہاں انھوں نے اپنی پریشانی اور تباہ حالی کا نقشہ کھینچا ہے اس میں سوز اور درد ہے۔

مثنوی کا آغاز اس خطاب سے ہوتا ہے:-

ای تماشائیان بزم سخن   وی شناسایان ناموس فن

ای سخن پروران کلکته   وی زبان آوران کلکته

ای گرامی فنان ریخته گو   نغز دریا کشان دریا جو

اپنے بارے میں کہتے ہیں:-

اسد اللہ بجنت برگشتہ | در غم دنیا بجز برگشتہ
گرچہ غالب ہمہ بہ پیشانی است | با کفر نہ دینی و ایمانی است
باتظلم رسیدہ است اینجا | با امیدار سید دست اینجا

(غالب اپنی قمار بازی کی گرفتاری کے سلسلے میں جیل گئے تھے اس کی طرف اشارہ ہے)

غالب بیدل کے شیدائی تھے اور معترضین کے جواب میں بھی انھوں نے قتیل اور واقف کے مقابلہ میں بیدل کو ہی پیش کیا ہے ؎

گرچہ بیدل ز اہل ایمان نیست | لیک ہم چوں قتیل نادان نیست
صاحب پایہ و دستگاہی بود | مرد دانا نہ ہیچ نمود کاہی بود

اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں جو عرفی، نظیری، ظہوری اور طالب کا ماننے والا ہوں قتیل و واقف کو کیا جانوں

آنکہ طی کردہ این مواقف را | چہ شناسد قتیل و واقف را

پھر انھیں خیال آتا ہے کہ اس تمام بحث و جدل کا نتیجہ سوائے تلخی اور بیدردگی کے اور کچھ نہ ہوگا اور ان کے جانے کے بعد بھی لوگ انھیں بری طرح یاد کریں گے کہ ایک دہلی والا یہاں آیا تھا اور اس کی وجہ سے دل شکنی ہوئی۔ اس خیال سے وہ کہتے ہیں کہ خاموش رہنا ہی بہتر ہے ؎

آہ ازاں دم کہ بعد رحلت من | تہمت دلی بود بہ گردن من

پہلی مثنوی جس مثنوی کا عنوان ہے "بیان نمودداری شان نبوت و ولایت کہ در حقیقت پرتو نور الانوار حضرت احدیت است" یہ مثنوی غالب نے اپنے دوست مولانا فضل حق خیرآبادی کی فرمائش پر لکھی تھی۔ جیسا کہ علامہ حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے مسلمانوں کے دو فرقوں میں امتناع نظیر خاتم النبیین کے مسئلہ میں اختلاف عقائد کا ہنگامہ برپا تھا بحث یہ تھی کہ آیا خدا آنحضرت کا مثل پیدا کر سکتا ہے یا نہیں۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ خدا قادر مطلق ہے اگر چاہے تو ہزاروں محمد پیدا کر سکتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس کے برخلاف تھا۔ غالب نے یہ مثنوی مولانا فضل حق خیرآبادی کی فرمائش پر لکھی۔

غالب نے یہ مثنوی [illegible] کی فرمائش پر لکھا

دیکھی گئی [illegible] گر دیدار — [illegible]

با نشاط [illegible] آفریں — [illegible]

یعنی خدا جس نے دونوں جہان پیدا کئے ہیں آنحضرت کا مثیل بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن غالب نے اس مثنوی میں [illegible] امتناع النظیر میں عقیدہ رکھتے تھے اس لیے غالب نے اس ذیل میں کچھ دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔ کہتے ہیں ٹھیک ہے آپ نے ایک لطیف بات کہی لیکن اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر خدا چاہے تو دو سورج اور دو چاند بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن ایک عالم میں صرف ایک سورج ہے اسی طرح دنیا میں خاتم المرسلین بھی ایک ہی ہو سکتا ہے ؎

آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید — می تواند مہر دیگر آفرید

حق دو مہ از سوی خدا آورد — کو برابر نگشت با مہ آمد

لیک در یک عالم از روی یقین — خود نگنجد دو خاتم المرسلین

جوہر کل ہمتا بد تشنیہ — در محمد ما یابد تشبیہ

ہر کجا سایہ پسندد خدا — [illegible] خدا

اس کے بعد دو مثنویاں تہنیت عید کی ہیں۔ ایک بہادر شاہ کے نام اور ایک [illegible] کے نام۔

نویں مثنوی شاہ اودھ کی تعریف کے بارے میں ہے یہ مختصر مثنویاں [illegible] ہیں۔

دسویں مثنوی مثنوی آئین اکبری کے بارے میں ہے جسے سر سید احمد خان نے تصحیح کر کے چھاپا تھا۔

[illegible] اس کا [illegible] ہے۔

"تقریظ آئین اکبری مصنفہ سید احمد خان [illegible]"

[illegible] اس طرح ہوتا ہے ؎

مژدہ یاران را کہ این دیرینہ کتاب — یافت از اقبال سید فتح باب

[illegible]

تنقید کی ہے۔ سرسید کی تصحیح پر طنز کرتے ہیں ؎

دیدہ ور تصحیح آئین ہای اوست — ننگ دانا ہمت والای اوست

دل بشغلی بست و خود را شاد کرد — خود مبارک بندۂ آزاد کرد

یعنی یہ ایک بیکاری کا شغل تھا جو سرسید نے اختیار کیا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ اسے مردہ پرستی سے تعبیر کرتے ہیں ؎

مردہ پروردن مبارک کار نیست — خود بگو کان نیز جز گفتار نیست

یعنی اس میں (آئین اکبری میں) سوائے باتوں کے اور (عملی چیز) کیا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ آئین اکبری کی ستائش کرنے والوں کو انگریزوں کا آئین ان کی ترقیات ہنرمندی اور دانشوری کو دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح انھوں نے برق و باد کو مطیع کر لیا ہے ؎

صاحبانِ انگلستان را نگر — شیوہ و انداز اینان را نگر

تا چہ آئین ہا پدید آوردہ اند — آنچہ ہرگز کس ندید آوردہ اند

داد و دانش را بہم پیوستہ اند — ہند را صد گونہ آئین بستہ اند

رو بہ لندن کاندران رخشندہ باغ — شہر روشن گشتہ در شب بی چراغ

کار و بار مردم ہشیار بین — در ہر آئین صد نو آئین کار بین

پیش این آئین کہ دارد روزگار — گشتہ آئین دگر تقویم پار

غرض اس مثنوی میں انھوں نے کھل کر سرسید پر تنقید کی ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ پرانی باتوں کو چھوڑ کر نئے دور کی ترقیات سے استفادہ کرنا چاہیئے اور ترقی یافتہ قوموں سے ترقی کا سبق سیکھنا چاہیئے۔

اس مثنوی سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب ذہنی اعتبار سے اپنے زمانے اور ماحول سے بہت آگے تھے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ انگریزی تعلیم اور تہذیب کو کفر کے مترادف سمجھا جاتا تھا غالب کا ایسا بیباکانہ انگریزی دانش و بینش کی تعریف کرنا ان کی وسیع النظری اور روشن خیالی کا ثبوت ہے۔

گیارہویں مثنوی۔ گیارہویں مثنوی مختصر سی ہے یہ بیان ہے جو غالب کے ندیکلام رنگین

تخیل اور استادانہ ہنرمندی کی آئینہ دار ہے۔ یہ مثنوی غالب کی سب مثنویوں سے زیادہ طویل اور دلکش ہے۔ اس میں حمد، نعت، منقبت، ساقی نامہ، مغنی نامہ اور معراج نامہ الگ الگ عنوانات کے تحت شامل ہیں، لیکن مثنوی کا آخری حصہ جو مناجات کے عنوان سے ہے اس کا اہم ترین حصہ ہے۔ کیونکہ یہ غالب کی اپنی داستانِ حیات ہے ان کے دکھے ہوئے دل کی پکار ہے جو وہ محشر میں خدا کے حضور کرنا چاہتے ہیں، وہ انھوں نے اس مناجات میں بیان کی ہے۔

ایک فتحمند بادشاہ اور اس کے چند تباہ حال زندانی عوام کی حکایت بیان کر کے غالب خدا سے مخاطب ہوتے ہیں ؎

بروزی کہ مردم شوند انجمن — شود تازہ پیوند جانہا بہ تن
روان را بہ نیکی نوازندگان — بسرمایۂ خویش نازندگان
گہرہای شہوار پیش آورند — فروہیدہ کردار پیش آورند
در آں حلقہ من باشم و سینۂ — ز غمہای ایام گنجینۂ
در آب و در آتش بسر بردۂ — ز دشواری زیستن مردۂ
بہ بخشای برناکسی ہای من — تہیدست و درماندہ ام وای من
بدوش ترازو منہ بار من — نسنجیدہ بگزار کردار من

یعنی ای خدا حشر کے میدان میں، ان نیکوکار بندوں کے سامنے مجھ گنہگار کا حساب مت لے۔ لیکن اگر تیرا فرمان یہی ہے کہ اعمال کا حساب لیا ہی جائے تو پھر میری بھی سن ؎

ہمانا تو دانی کہ کافر نیم — پرستار خورشید و آذر نیم
نکشتم کسی را بہ اہرمنی — نبردم ز کس مایہ در رہزنی
بگرمی کہ آتش نگویم از دست — بہنگامہ بخاطر سوزم از دست
سخن آمدہ تلخی اندہ ربای — چہ میگردم ای بندہ پرور خدای
حساب می و رامش و رنگ و بوی — ز جمشید و بہرام و پرویز جوی

گر از بادہ تا چہرہ افروختند | دل دشمن و چشم بد سوختند
نہ از من کہ از تاب می گاہ گاہ | بدریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ
نہ بستان سرای نہ میخانہ | نہ دستان سرای نہ جانانہ
نہ رقص پری پیکران بر بساط | نہ غوغای رامشگران در رباط
شبانگہ بجرعہ نہ مخمور شدی | سحرگہ طلبگار مخمور شدی
تمنای معشوقۂ بادہ نوش | تقاضای بیہودۂ می فروش

یعنی اے خدا تو جانتا ہے کہ میں کافر نہیں ہوں اور نہ قاتل یا رہزن ہوں۔ میرا گناہ صرف یہ ہے کہ کبھی کبھی شراب پی لیا کرتا تھا جس کی وجہ سے قبر میں عذاب میں بھی مبتلا ہوں لیکن اگر تجھے شراب نوشی اور عیش و عشرت کا حساب ہی لینا ہے تو جمشید، بہرام اور پرویز جیسے بادشاہوں سے لے۔ مجھ فقیر کی شراب نوشی ہی کیا۔ نہ رقص نہ نغمہ، نہ بتخانہ نہ میخانہ، نہ یاران مے نوش نہ ساقیِ دل نواز، رات کو اگر شراب پیتا تو صبح کو مے فروش کے دلخراش تقاضے بھی سننا تھا۔

غالب کو جنت کی تمنا نہیں کیونکہ انہیں وہاں کا مردہ ماحول ناپسند ہے۔

؎ صبوحی خورم گر شرابِ طہور | کجا زہرہ صبح و جام بلور
در آن پاک میخانۂ بی خروش | چہ گنجایِ شورشِ نای و نوش
سیہ مستی ابر باران کجا | خزان گر نباشد بہاران کجا
نظربازی و ذوق دیدار کو | بفردوس روزن بدیوار کو
نہ چشم آرزومند و لالہ | نہ دل تشنۂ ماہ پرکالہ

آخر سب کچھ عرض کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر میری حسرتوں کا خون ہی کرنا ہے تب بھی کم از کم مجھے بخشش سے مایوس مت کر۔ آخر میں تیرے قرآن کا ماننے والا اور تیرے پیغمبر کا کلمہ پڑھنے والا ہوں ؎

گر البتہ این رند ناپارسا | کہ اندیشش گبر و مسلمان نما
بہ سرتا پر خندہ منشور تست | ہوادار فرمان دستور تست
بہ بند امید استواری فرست | بہ غالب خطِ رستگاری فرست

(باقی)